گذشتہ سے پیوستہ

دورِ حاضر میں اجتہاد اجمالی

از استاد محمد الغزالی ۔ قاہرہ

اور خشیت الہٰی۔ وحبِ رسول میں عوام کے اعتماد سے محروم ہے:

الحمد للہ اب امتِ مسلمہ نے اس مبارک صدا پر لبیک کہا ہے اور اس سلسلہ میں مختلف سیمینار اور کانفرنسیں فقہ اسلامی کے موضوعات پر بحث وتحقیق کے لیے منعقد کی جارہی ہیں۔ اور مختلف ممالک میں فقہی موسوعات شائع کیے جارہے ہیں اور متعدد فقہی اکاڈمیاں قائم کی جارہی ہیں، مؤتمر اسلامی کی نگرانی میں اسلامی قانون سے متعلق ملکی پیمانہ پر تنظیمیں قائم کی گئی ہیں۔ یہ اقدامات اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ معاصر فقہا اجتہاد کی اہمیت وضرورت کو اس دور میں سوچنے اور سمجھنے لگے ہیں۔ اور اس موقع پر میں ان کاوشوں کو فراموش نہیں کرسکتا جسے علامہ مصطفیٰ احمد الزرقاء اور علامہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ (مقیم فرانس) صاحبان نے اپنی علمی کوششوں کے بل بوتہ سے قائم کیا ہے اور اس نیک مقصد کے حصول کے لیے عملی اقدام کرتے رہتے ہیں، راقم سطور کی نظر میں اس مقصد کے حصول کے لیے جو ضروری چیزیں ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) یہ بات طے شدہ ہے کہ فقہ اسلامی اور ضخیم قانونی سرمایہ ہزاروں فقہاء کے نتیجۂ فکر اور علمی کاوشوں کا مظہر ہے جس کا ظہور صدیوں کے گذرنے کے بعد ہوا۔ یہ کسی سرکاری یا نیم سرکاری سعی وکوشش کا نتیجہ نہیں، بلکہ نتیجہ ہے اس عظیم خدمت کا جسے ایک عالم نے اپنے کتب خانہ میں، اور مدرس نے اپنی درسگاہ میں، اور مفتی نے اپنے دارالافتاء میں، اور قاضی نے اپنی عدالت میں بیٹھ کر انجام دیا ہے۔ یہ سب کام سرکاری حکام اور افسران کی بغیر کسی ادنیٰ مداخلت کے انجام پذیر ہوا ہے، اور جو کچھ کام ہم قانون میں تبدیلی

(Changing in Law) دیکھ رہے ہیں جس کی کوئی مثال اور نظیر کسی اور قوم کے پاس نہیں ہے، یہ تمام کارنامہ غیر سرکاری پیمانہ پر انجام پایا ہے، چنانچہ امام ابو حنیفہؒ اور آپ کے شاگرد فقہاء (مثلاً امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، امام زفرؒ وغیرہ) کسی پارلیمنٹ یا قانون ساز اسمبلی کے ممبر، وزیر یا ولی عہد نہیں تھے اور نہ ہی امام مالکؒ کسی پارلیمنٹ کے ممبر تھے اسی طرح دوسرے ائمہ وفقہا ہیں جن کی کسی خلیفہ یا بادشاہِ وقت نے کوئی مدد وسرپرستی نہیں کی، اور نہ ہی ان سے اس کا مطالبہ کیا گیا کہ آپ یہ قانون سازی کا کام انجام دیں، بلکہ بعض حضرات تو خلفاء اور امراء کی جانب سے بغض وحسد اور ظلم وزیادتی کا نشانہ بنے، جو اہل علم کی نظروں سے مخفی نہیں ہے، مثال کے طور پر امام احمد بن حنبلؒ کو پیش کر دینا کافی ہے، جو حکومتِ وقت کے مقابلہ میں مختلف مصائب وشدائد کی بھٹی میں گرمائے گئے۔

مختصر کلام یہ کہ فقہ اسلامی سرکاری اداروں اور حکومت کی قانونی مداخلت سے مکمل آزادی چاہتی ہے، لہٰذا اس کارِ عظیم (اجتہاد اجماعی) کے لیے مناسب یہ ہے کہ حکومتوں اور سرکاری اداروں اور تنظیموں سے الگ آزادانہ طور پر انجام دیا جائے، تاکہ سرکاری دائرہ وحدود سے یکسر پاک وصاف ہو۔

(۲) ہم اس وقت ایسے ماحول میں زندگی بسر کر رہے ہیں، جس میں تمام انسان ایک خاندان کے مثل ہو گئے ہیں، لیکن عالم اسلامی جو کسی وقت ایک خاندان کے مانند تھا، (اور ضرورت بھی ہے کہ ایک خاندان بن کر رہے) افسوس کہ اب تک ایک خاندان میں متحد اور منظم نہیں ہو سکا۔ بلکہ مغربی سامراجیت کے ہاتھوں مزید افتراق وانتشار سے دوچار ہو گیا ہے، لیکن ان سب کے باوجود الحمد للہ ہمارے علماء وسلم رہنما مسلمانوں کو متحد کرنے شعبۂ حیات میں ایک پلیٹ فارم پر لانے کی قابل قدر کوشش کر رہے ہیں۔

دورِ ماضی میں جس طرح مسلمان زندگی گذارتے تھے اس میں انھیں مختلف دشواریوں کا سامنا کرنا ہوتا تھا جس میں سفر کی زحمتیں، وسائل وذرائع کی کمی، نشر واشاعت کی

قلت تھی، نیز اس وقت دیگر مذاہب کے علماء کی کتابیں بھی کمیاب تھیں، ایسی صورت میں لوگ اپنے علاقوں میں الگ الگ مسلک اختیار کر لیے تھے لیکن اب جب کہ سفر کی سہولتیں بڑھ گئیں، نشر و اشاعت کا سیلاب امڈ پڑا، طباعت کا کام برق رفتاری سے ہونے لگا اور تمام فقہی مذاہب کی کتب کی فراہمی بھی عام ہو چکی ہے، لہذا مذکورہ وجوہات و موانع ختم ہو چکی ہیں اور جب سبب ہی نہ رہا تو مسبب کا ختم ہو جانا فطری و طبعی تقاضا ہے اس لیے ہم پر لازم ہے کہ مذاہب کی تنگیوں سے نکل کر شریعتِ اسلامیہ کی وسعتوں میں آئیں اور ایسا مسلک اختیار کریں جس میں تنگی و حرج نہ ہو اور تمام مسالک و فقہاء کی آراء سے اس چیز کا انتخاب کریں جو اس دور کے لیے ہر طرح سے مناسب اور موزوں ہو اور جس کا شریعت کی روح سے بالکل قریبی رشتہ ہو، اور جو لوگوں میں عدل و انصاف کو زیادہ بہتر طور سے قائم کر سکے۔

اس تقابلی فقہ کا جس کا میں نے ذکر کیا اخذ و قبول آسان نہیں ہے۔ کیونکہ بعض علماء نے ایک متعین مسلک کے اتباع کو واجب العمل قرار دے دیا ہے، لیکن جیسے جیسے اس طرح کے حالات ساز گار ہوتے رہے ہمارے کبار فقہا کے لیے تمام مسالک میں سے اخذ کرنا دشوار نہیں رہا، چنانچہ امام شاہ ولی اللہ دہلوی اپنی کتاب "الانصاف فی بیان سبب الاختلاف" میں تحریر فرماتے ہیں:

"جب کوئی شخص دیارِ ہند اور ماوراء النہر کے علاقوں میں کسی مسئلہ سے واقفیت نہ رکھتا ہو اور وہاں کوئی شافعی، مالکی، حنبلی عالم بھی موجود نہ ہو اور نہ ہی ان مذاہب کی کوئی کتاب دستیاب ہو تو ایسے شخص پر امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کی اتباع و تقلید واجب ہو جاتی ہے اور اس مسلک سے کنارہ کشی اور اس سے خروج اس پر حرام ہو جاتا ہے، اس لیے کہ اس وقت اس کی گردن شریعت کے قلادہ سے آزاد ہو جائے گی اور ایسی حالت میں وہ شخص دینی اعتبار

سے مہمل اور ضائع ہو جائے گا۔ اس کے برعکس جب وہ حرمین شریفین میں ہو جہاں اسے تمام مذاہب ومسالک سے واقفیت واطلاع بآسانی حاصل ہو، تو ایسی صورت میں بغیر اعتماد وتحقیق کے آنکھ بند کرکے محض قیاسی طور پر کسی ایک مسلک کی تقلید واتباع کافی نہ ہوگی، اور نہ ہی عوام کی زبان سے سنی سنائی باتوں کو قبول اور تسلیم کرلینا، یا کسی غیر معروف کتاب سے مسئلہ اخذ کرنا درست وصحیح ہوگا۔[۱]

تقابلی فقہ یا عالمی فقہ اسلامی | میں یہاں ایک اہم مسئلہ کی طرف اشارہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں، وہ یہ ہے کہ:

سب سے پہلے ہمیں بنیادی اصول وقواعد پر متفق ہونا چاہیے، جس بنیاد پر حسین عمارت کھڑی کرنی ہے، ضروری ہے کہ یہ بنیادی واصولی قواعد تمام مسلکوں اور جملہ فقہی آراء سے ماخوذ ہوں۔

(۳) رہا یہ سوال کہ اس تنظیم اور طریقۂ کار کے قیام کے لیے کون سا راستہ اختیار کرنا چاہیے، اس سلسلہ میں میری ذاتی وناچیز رائے یہ ہے:

الف: اس مقصد کو بروئے کار لانے کے لیے ایک عالمی مرکز کا قیام عمل میں لایا جائے جو کسی بڑی اسلامی ریاست مثلاً کراچی، بیروت، قاہرہ وغیرہ ملکوں میں ہو، جو کم از کم دس ایسے بڑے فقیہوں پر مشتمل ہو، جو مختلف موضوعات میں اختصاص کا درجہ رکھتے ہوں، کیونکہ یہ دور علوم کے کسی نہ کسی شعبہ میں اختصاص، تحقیق وریسرچ کا دور ہے اور آج علوم وفنون شاخ در شاخ پھیل چکے ہیں۔ کتب خانوں کی کثرت ہو چکی ہے اور تصانیف وتالیفات کا دریا بہہ پڑا ہے۔ یہ کسی ایک عالم کے بس کی بات نہیں کہ وہ ان تمام علوم کا احاطہ واستقصاء کر سکے جو اسلامی موضوعات پر اب تک لٹریچر تیار کیا گیا ہے اور جس کا سلسلہ برابر جاری ہے اور "اجتہاد اجماعی" کے سلسلہ میں بھی یہی بات کہی جا سکتی ہے۔ اس کی

بھی کوئی شخص طاقت نہیں رکھتا ہے کہ ہر قسم کی رطب و یابس نیز جزئیات اور مجہول علوم کا مطالعہ کرے اور اب مسائل بھی روز بروز پیچیدہ و دشوار ہوتے جا رہے ہیں۔ چنانچہ کوئی

ـــ

لہ الانصاف فی بیان سبب الاختلاف، امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۰۸ھ ص ۷۰، ۷۱۔

ایسا مسئلہ نہیں جس کا تعلق مختلف علوم اور اختصاصات سے نہ ہو اور ان کے بغیر حل ہو سکے، اسی لیے مجتہد کو جب تک ان علوم کی پوری اطلاع اور مکمل واقفیت نہ ہو اس کے بارے میں اپنی کوئی رائے ظاہر نہیں کر سکتا ہے چہ جائیکہ وہ مسائل جو روز بروز پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ چنانچہ ان علوم میں بغیر مکمل عبور اور پوری دستگاہ حاصل کیے ہوئے کوئی اقدام نہیں کیا جا سکتا۔

مثلاً کسی نئی اسلامی مملکت میں زکوٰۃ وعشر کا نظام نافذ کرنا ہے۔ اگر ہم اس کے لیے اسلامی شریعت کی روشنی میں کوئی قانون وضع کریں، تو زکوٰۃ سے متعلق تمام قرآنی آیات کے علم کی ضرورت پڑے گی، ساتھ ہی ساتھ ان تمام تفاصیل اور اصطلاح کا بھی علم ضروری ہوگا جو فقہاء اور مفسرین نے عام و خاص، مطلق و مقید، مفسر و مجمل، محکم و متشابہ، دلالتِ منطقی، دلالتِ التزامی، دلالت النص، اشارۃ النص و اقتضاء النص وغیرہ کے متعلق بیان کیے ہیں۔

اسی طرح ان تمام احادیث، اسناد و روایات، جرح و تعدیل اور مختلف تاویل کے علم کی بھی ضرورت پیش آئے گی، پھر اس سلسلہ میں فقہی احکام، مفتی بہ قول، اور فقہاء کے اجتہادات اور ان کی دلیلیں یہ سب معلوم کرنا ہوگا۔ پھر ضرورت اس بات کی بھی پیش آئے گی کہ معلوم کیا جائے کہ علم اصول فقہ اور علم کلام اس سلسلہ میں اپنا کیا نقطۂ نظر پیش کرتا ہے جس میں مختلف مسالک، اشباہ و نظائر، اقتصادی و معاشی مسئلہ، بینکنگ سسٹم، مالیاتی ادارے، ٹیکس کا نظام، سرکاری نظام، زراعت و کاشتکاری کا نظام، حساب، ریاضی

کمپیوٹر وغیرہ کی معلومات شامل ہیں، ان کے علاوہ بہت سی چیزیں ہیں جن کا ذکر طوالت سے خالی نہیں۔ ان سب کا جاننا ازبس ضروری ہوگا جس کے لیے مرکز میں کچھ ایسے متخصص ہوں جو مختلف علوم اور اس کے جزئیات میں تحقیقی حیثیت اور مقام رکھتے ہوں۔

ب: بڑی بڑی اسلامی ریاستوں میں اس بڑے مرکز کی مختلف شاخیں قائم کی جائیں اور ہر شاخ میں کم از کم دس افراد اس کے منتسب ممبر ہوں جن میں کچھ طبقۂ علماء سے تعلق رکھتے ہوں تاکہ ان کے علم و تجربات سے مختلف مواقع پر کام لیا جا سکے، لیکن وہ ممبران شریعت اسلامیہ میں مطلوبہ علم رکھنے کی وجہ سے کامل درجہ کے رکن نہ ہوں اور مرکز کی ہر شاخ میں کچھ ایسے ماہر مترجمین رکھے جائیں جو عربی کے فقہی مباحث و مقالات کو مقامی زبانوں میں منتقل کرنے کی پوری قدرت و صلاحیت رکھتے ہوں اور مقامی زبانوں کو عربی کا جامہ پہنا سکیں، تاکہ اس سے متعلقہ اراکین زیر بحث موضوع پر اپنی رائے کا اظہار کر سکیں۔

ج: اس مرکز سے ایک ماہانہ عربی ترجمان شائع کیا جائے جسے مرکز کے ماتحت تمام شاخوں میں بھیجا جائے، جس میں معاصر فقہاء کے آراء و نظریات مع ان کے استدلال شائع کیے جائیں تاکہ ان پر اراکین و ممبران کا مباحثہ و مذاکرہ بھی ہوتا رہے۔

د: کسی ممبر کی رکنیت اس وقت تک مستقل نہ کی جائے جب تک کم از کم پانچ مختلف قومیات کے مستقل دس اراکین اس کی صلاحیت و اہلیت کی تصدیق نہ کر دیں اور اس سلسلہ میں قابل ذکر بات یہ ہے کہ اراکین کے انتخاب و تعیین میں حکومت کا کوئی دخل نہ ہو۔

ھ: کسی ایک مسئلہ پر کم از کم تین سال تک مباحثہ جاری رہنا چاہیے، تاکہ زیر بحث موضوع کے تمام پہلو واضح ہو جائیں اور اس کا کوئی گوشہ باقی نہ بچے اور ہر فقیہ اپنی اپنی آراء و استدلالات پیش کر سکے،

و: تمام اراکین کے لیے مندرجہ ذیل صفات کا حامل ہونا ضروری ہے۔

(۱) مسلم ہو، عادل و بالغ ہو، چالیس سال یا اس سے زائد عمر ہو، اس سے کم عمر کے

لوگوں کو اس مرکز سے نسبتی رکنیت کی اجازت دی جاسکتی ہے۔

(۲) علوم اسلامیہ کی درس و تدریس یا تصنیف و تالیف یا منصب افتاء و عہدۂ قضا پر فائز ہونے کا کم از کم پندرہ سال کا تجربہ حاصل ہو۔

(۳) امیدوار کے مختلف اسلامی موضوعات پر مقالات شائع ہو چکے ہوں، جو تحقیق لحاظ سے ممتاز اور سلامتِ فکر و تعمق کا آئینہ دار ہوں۔

(۴) امیدوار اپنے علاقہ میں علمی قابلیت، تقویٰ و امانت، اور اسلامی شریعت کے علمبردار ہونے کی حیثیت سے معروف و مشہور ہو۔

(۵) وہ اُن آٹھ علوم کا بھی عالم ہو جس کی طرف امام غزالیؒ نے اپنی کتاب مستصفیٰ میں اشارہ کیا ہے جس کا گذشتہ صفحات میں ذکر ہوا ہے۔

ز: مرکز کی ہر شاخ میں کچھ ایسے منسوب اراکین ہوں جو عصری لٹریچر و ادب سے خاطر خواہ واقف ہوں۔ نیز اسلامی علوم کے بھی ماہر ہوں اور جس کے تقویٰ کی شہادت پیش کی جاتی ہو، تاکہ دیگر اراکین ان کے علم و تجربہ سے استفادہ کرسکیں اور کوئی رکن اس وقت تک منسوب نہ کیا جائے جب تک مستقل ممبران اس کی اہلیت کی تصدیق نہ کردیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا و آخرت کی فلاح و کامرانی سے نوازے، آمین۔

دنیا کے مشہور و مستند عالم حضرت مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی رحؒ کی اہم اور آخری یادگار

"متاعِ صدا"

اس نئی پیشکش کا آرڈر فوراً ہمیں اس پتے پر بھیجیں۔

منیجر ندوۃ المصنفین، جامع مسجد دہلی ۶